مکتوباتِ صدی

از شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری (قدس سرہ)

(پہلے پانچ مکتوبات کا اردو ترجمہ)

1۔ پہلا مکتوب۔توحید کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین تُم کو اللہ تعالی دونوں جہان میں عزت دے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ بزرگوں کے نزدیک از روئے شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت اجمالا توحید کے چار دَرجے ہیں۔ اور ہر درجے میں مختلف حالت اہل توحید کی ہ-واکرتی ہے۔

1.1 توحید کا پہلا درجہ: یہ ہے کہ ایک گروہ فقط زبان سے لاالہ الااللہ کہتا ہے مگر دل سے رسالت وتوحید کا منکر ہے۔ایسے لوگ زبان شرع میں منافق کہے جاتے ہیں۔ یہ توحید مرنے کے وقت یا قیامت کے دن کچھ-فائدہ بخش نہ ہوگی۔ سراسر وبال اور نکال آخرت کا باعث ہوگی۔

1.2 توحید کا دوسرا درجہ: اسکی دو شاخیں ہیں۔ایک گروہ زبان سے بھی لاالہ الااللہ کہتا ہے اور دل میں بھی تقلیداا عتقاد رکھتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے کوئی اسکا شریک نہیں۔ جیساکہ ماں باپ وغیرہ سے اس نے سنا ہے اسی پر ثابت قدم ہے۔اس جماعت کے لوگ عام مسلمانوں میں ہیں۔ دوسرا گروہ زبان سے بھی لاالہ الااللہ کہتا ہے اور دل میں اعتقاد صحیح رکھتا ہے۔علاوہ اس کے علم کی وجہ سے اللہ تعالی کی وحدانیت پر سیکڑوں دلیلیں بھی رکھتا ہے۔ اس جماعت کے لوگ متکلمین، یعنی علماے ظواہر کہلاتے ہیں۔

بیت

رو دیدہ بدست آر کہ ہر ذرۂ خاک جامیست جہاں نما کر دردے گری؟

(یعنی جاؤ آنکھیں حاصل کرو۔ خاک کا ہر ذرہ ایک پیالہ ہے جس میں سارا جہاں دکھائی دیتا ہے۔)

عام مسلمان و متکلمین، یعنی علمائے ظاہر کی توحید وہ توحید ہے کہ شرک جلی سے نجات پانا اس سے وابستہ ہے۔ سلامتی و ثبات آخرت سے مُلحق ہے۔ خلود دوزخ سے رہائی، بہشت میں داخل ہونا اس کا ثمرہ ہے۔ البتہ اس توحید میں مشاہدہ نہیں ہے۔ اس لیے ارباب طریقت کے نزدیک اس توحید سے ترقی نہ کرنا، ادنٰی درجہ پر قناعت کرنا ہے۔ علیکم بدین العجائز (یعنی بوڑھی عورتوں کے دین کو اختیار کرنا لازم سمجھو) ایسے موقع پر کہا کرتے ہیں۔

1.3 توحید کا تیسرا درجہ : موّحد مومن بہ اتباع پیر طریقت مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہے۔ رفتہ رفتہ یہ ترقی اس نے کی ہے کہ نور بصیرت دل میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس نور سے اس کو اس کا مشاہدہ ہے کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے۔ سارا عالم گویا کٹھ پُتلی کی طرح ہے۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسا موحّد کسی فعل کی نسبت کسی دوسری طرف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ فاعلِ حقیقی کے سوا دوسرے کا فعل نہیں ہے۔ بیت

درین نوع ہم شرک پوشیدہ است
کہ زیدم بیازرد و عمرم بکشت

(یعنی اس میں بھی شرک چھپا ہوا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ مجھ کو زید نے ستایا اور عمرو نے مار ڈالا)۔

اب ہم ایک مثال دیتے ہیں اِس سے توحیدِ عامیانہ، توحیدِ متکلمانہ اور توحیدِ عارفنہ سبھوں کے مراتب کا فرق صاف ظاہر ہو جائے گا۔

1.3.1 مثال- کسی سرائے میں ایک سوداگر اُترا۔ اُس کی شُہرت ہوئی۔ لوگ اُس کا مال و اسباب دیکھنے کو چلے اور ملاقات کے خواہاں ہوئے۔ ایک شخص نے زید سے پوچھا۔ بھئی تم کچھ جانتے ہو۔ فلاں سوداگر آیا ہوا ہے۔ زید نے کہا، ہاں یہ خبر صحیح ہے۔ کیونکہ مُعتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا ہے۔ یہ توحیدِ عامیانہ کی مثال ہے۔ دوسرے نے عمرو سے دریافت کیا۔ اجی حضرت آپ کو اِس سوداگر کا حال معلوم ہے؟ عمرو نے کہا، خوب، ابھی ابھی میں اسی طرف سے آرہا ہوں۔ سوداگر سے ملاقات تو نہ ہوئی، مگر اُس کے نوکروں کو دیکھا، اُس کے گھوڑے دیکھے، اسباب وغیرہ دیکھنے میں آئے۔ ذرا شُبہ اس کے آنے میں نہیں ہے۔ یہ توحیدِ متکلّمانہ ہے۔ تیسرے شخص نے خالد سے دریافت کیا۔ جناب اس کی خبر رکھتے ہیں کہ سوداگر صاحب سرائے میں تشریف رکھتے ہیں؟ خالد نے جواب دیا، بیشک میں تو ابھی ابھی اُنہیں کے پاس سے آرہا ہوں۔ مُجھ سے اچھی طرح ملاقات ہو گئی ہے۔ یہ توحیدِ عارفانہ ہے۔ دیکھو زید نے سنی سنائی پر اعتقاد کیا۔ عمرو نے اسپ و اسباب وغیرہ دیکھ کر دلیل قائم کی۔ خالد نے خود سوداگر کو دیکھ کر یقین کیا۔ تینوں میں جو فرقِ مراتب ہے اس کے بیان کی اب حاجت نہ رہی۔ اہلِ طریقت کے نزدیک جس توحید میں مشاہدہ نہ

ہو وہ توحید کی صورت اور توحید کا قالب ہے۔ مشاہدہ سے اعتقاد کو کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ اعتقاد دل کو خواہ مخواہ ایک چیز کا پابند کر لیتا ہے۔ اور مشاہدہ ہر بند کو کھول دیتا ہے۔ اور مشاہدہ سے استدلال کو بھی کوئی مناسبت نہیں۔ کیونکہ

پائے اِستدلالیان چوبین بود
پائے چوبین سخت بے تمکین بود

[یعنی دلیلیں لانے والوں کا پاؤں لکڑی کا بنا ہوتا ہے۔ اور لکڑی کا پاؤں دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔]

1ء4 توحید کا چوتھا درجہ: کثرتِ اذکار و اشغال و ریاضت و مجاہدہ کے بعد ترقی کرتے کرتے سالک یہاں تک ترقی کرتا ہے کہ بعض وقت شِش جہت میں اللہ تعالےٰ کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تجلیات صفاتی کا ظہور اس شدت سے سالک کے دل پر پوتا ہے کہ ساری ہستیاں اُس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں۔ جس طرح ذرّے آفتاب کی پھیلی ہوئی روشنی میں نظر نہیں آتے۔ دھوپ میں جو ذرہ دکھائی نہیں دیتا اِس کا یہ سبب نہیں کہ ذرہ نیست ہو جاتا یا ذرہ آفتاب ہو جاتا ہے' بلکہ جہاں آفتاب کی پوری روشنی ہو گی ذروں کو چھپ جانے کے سِوا چارہ ہی کیا ہے۔ جس وقت روشندان تابدان وغیرہ سے دھوپ کوٹھری یا سائبان میں آتی ہے' اس وقت ذروں کا تماشا دیکھو' صاف نظر آتے ہیں۔ پھر آنگن میں نِکل کر دیکھو غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بندہ خدا نہیں ہوتا تعالیَ اللہُ عَنْ ذٰلکَ عُلُوّاً کبیراً [یعنی اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند تر ہے]۔ اور نہ ہوتا ہے کہ بندہ درحقیقت نیست ہو جاتا ہے' نابود ہونا اور چیز ہے اور نہ دیکھا جانا اور شئے ہے۔ نظم

پیشِ توحیدِ او نہ کہنہ نہ نوست
ہمہ ہیچ اندر ہیچ اوست کہ اوست

کے بود ما زما جُدا ماندہ
من و تو رفتہ و خُدا ماندہ

[یعنی اُس توحید کے سامنے نیا اور پُرانا کیا سب ہیچ ہی ہیچ ہے۔ وہ وہی ہے جیسا کہ وہ ہے۔ لفظ ما سے ماکب تک الگ رہے گا۔ من و تو بیچ سے اُٹھ گیا اور خُدا باقی رہ گیا]۔

یا یوں سمجھو کہ عالم ایک آئینہ ہے۔ اِس آئینے میں سالک کو بعض بعض وقت خدا ہی نظر آتا ہے۔ خُدا کے مشاہدے میں سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینۂ حیرت ہے اُس کو نظر نہیں آتا۔ اِس سے اور آسان مثال سنو۔ تُم خود آئینہ دیکھو اور اپنے جمال

پر پر محو ہو جاؤ پھر دیکھو تو سہی آئینہ تمہاری نظر سے ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں۔ ضرور ساقط ہو گا۔ ایسے موقع پر کیا تُم کو کہنے کا حق ہو گا کہ آئینہ نیست ہو گیا ہے۔ یا آئینہ جمال ہو گیا ہے یا جمال آئینہ ہو گیا ہے۔ ہر گز نہیں۔ نیست ہونا اور ہے نہیں دِکھائی دینا اور ہے۔ جس کی نظر میں آفتابِ انوارِ حق اِس شان سے ظہور کرے گا اُس کی نظر میں ساری ہستیاں نہ ہونگیں تو کیا ہونگیں۔ قدرت کا مقدورات میں دیکھنا بِلافرق اسی طرح پر ہوتا ہے۔ صوفیوں کے یہاں اِس مقام کا نام الفناءُ فی التوحید یعنی توحید میں فنا ہو جانا ہے۔

گوید آنکس درین مقام فضول
کہ تجلّی نہ داند از حُلول

[یعنی وہ شخص یہاں فضول بکتا۔ کیونکہ وہ تجلّی اور حلول کا فرق نہیں پہچانتا]

اِس مقام میں اگر شطحیات سالک سے سرزد ہوں گے تو اس کی خامی سمجھی جائے گی۔ اِس میں شک نہیں کہ خدا کی تجلّی ہوتی ہے۔ اور خدا اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ مگر انسان میں حلول نہیں کرتا۔ اس مقام میں پہنچ کر سیکڑوں سالک پھسل کر گر چُکے ہیں۔ اس خوفناک جنگل سے جان سلامت لے جانا بغیر تائیدِ غیبی و عنایتِ ازلی نا ممکن ہے۔ اور پیر کی مدد بھی ضروری ہے۔ جو پیر حق رسیدہ ہو' صاحبِ بصیرت ہو' نشیب و فراز سے واقف ہو۔ شربت قہرِ جلال اور لطفِ جمال کا مزہ چکھ چُکا ہو۔ تاکہ اس ورطۂ ہلاکت سے مرید کو نکال سکے۔ دیکھو حضرت خواجہ ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ جو مقامِ توکّل کے بادشاہ ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ منصور حلّاج رحمتہ اللہ علیہ نے اُن کو دیکھا کہ بے زاد و راحلہ بادیۂ خونخوار میں گشت کر رہے ہیں۔ پوچھا' یہاں آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ مقامِ توکّل میں ثابت قدمی کا امتحان دے رہا ہوں۔ چونکہ اہلِ توحید کے نزدیک مقامِ توکّل توحید کے مقامات میں سے ایک ادنٰی درجہ کا مقام ہے۔ بتقاضائے خلوص آپ کو ہمدردانہ جلال آ گیا۔ اور عبارتِ لطیف کے ساتھ اس مقامِ توکّل سے ترقی کرنے کی یوں ہمت دلائی:

ضَیعَتْ عُمرَکَ فِی عِمْرانِ باطِنِکَ فَاَینَ الفَنآءُ فِی التوحید۔

[یعنی اگر عمر اسی مقامِ توکّل کی داد دینے میں تمام ہو گئی تو درجۂ کمالِ توحید کب حاصل ہو گا۔]

اب تم سمجھ سکتے ہو کہ راہِ توحید میں یارِ موافق اور پیرِ مشفق کی کِس وقت تک کِس درجہ ضرورت ہے۔ بہر کیف درجہ چہارم کی توحید میں سالکوں کے احوال مختلف ہیں۔ کسی پر ہفتہ میں ایک ساعت کے لیے فنائیت طاری ہوتی ہے' کسی پر ہر روز ایک ساعت یا دو ساعت۔ کسی پر بیشتر اوقات عالمِ اِستغراق رہتا ہے۔ فنا فی التوحید کے بعد ایک مرتبہ ہے جس کا نام الفنآء عَنِ الفنآءِ ہے۔ اس

مرتبہ کو بھی تعلق درجہ چہارم سے ہے۔ یعنی اس درجہ کا نام مرتبۂ اکمل میں الفناء عن الفناء ہے۔ اسی لیئے اس کو درجۂ پنجم نہیں کہا گیا۔ اس مرتبہ میں سالک کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کمالِ استغراق کی وجہ سے اس کے احساس کو اپنی فنائیت کی خبر نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس کی آگاہی باقی رہتی ہے کہ ہم فنا ہوئے۔ یہاں تک کہ جمالی و جلالی تجلّی کا فرق بھی نظر نہیں آتا۔ ایک جُنبش میں غائب ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ کسی قسم کا علم باقی نہیں رہتا۔ اہلِ طریقت کے نزدیک تفرِقہ کی دلیل ہے۔ مقامِ عین الجمع و جمع الجمع جب ہی حاصل ہوگا کہ سالک اپنے کو اور کُل کائنات کو ظہورِ حق کے دریائے نور میں گم کر دے اور اس کی خبر بھی نہ رکھے کہ گم کون ہوا۔

تو درو گُم شو کہ توحید این بود
گُم شدن گُم کن کہ تفرید این بود

[تو اس میں کھو جا یہی توحید ہے اور کھو جانے کو بھی بھول جا۔۔۔ اس کا نام تفرید ہے]۔

اس مقامِ تفرید میں پہنچ کر حقیقتِ وحدت الوجود اس طرح منکشف ہوتی ہے کہ سالک محو ہو جاتا ہے۔ تجلّیِ ذاتی کُل قصّوں کو طے کر دیتی ہے۔ اسم و رسم، وجود و عدم، عبارت و اشارت، عرش و فرش، اثر و خبر اس عالم اور اس دیار میں کُچھ نہ پاؤ گے۔ کُلُّ مَن عَلَیْھَا فَان [یعنی یہاں ہر چیز کو فنا ہے]۔ اس مقام کے سِوا اور کہیں جلوہ گر نہیں ہوتا۔ کُلُّ شَیْءٍ ھالِكٌ الاَّ وجھهٗ [یعنی ہر چیز مِٹ جانے والی ہے مگر اُس کی ذات]۔ اس جگہ کے سوا اور کہیں صورت نہیں دکھاتا۔ انا الحق و سُبحانی ما اعظم شانی [یعنی پاک ہوں اور میری شان بہت بڑی ہے] یہاں کے سوا کہیں اور اس کا نشان ظاہر نہیں ہوتا۔ توحید بے شرکِ مطلق جو تُم نے سُنا ہے، وہ اس دار الملک کے سوا اور کہیں نہ دیکھ پاؤ گے۔

خیالِ کژ مپز اینجا دلبشناس
ہر آن کُو در خدا گُم شُد خدا نیست

[یعنی یہاں دِل میں اُلٹا خیال نہ لاؤ، اور سمجھو کہ، جو خدا کی ذات میں کھو گیا، وہ خدا نہیں]۔

توحیدِ وجودی علم کے درجہ میں ہے، یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ تک پہنچے ہر مرتبہ میں بندہ بندہ ہے، خدا خدا ہے۔ اسی لیئے انا الحق و سُبحانی ما اعظم شانی وغیرہ کہنا اگر صدقِ حال نہ ہو تو خود اہلِ طریقت کے نزدیک یہ کلمات کفریہ ہیں۔ اور جہاں صدقِ حال ہے۔ بے شک وہاں کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔ روا باشد انا اللہ از درختے چرا نہ بود رَوا از نیک بختے [یعنی ایک درخت سے انا اللہ کی صدا نکلنا جب درست ہے تو اگر کسی نیک بخت کے مُنھ سے یہی آواز نکلے تو کیوں صحیح نہ ہو گی]۔ خیر اس کو تو ہم پہلے ہی

کہہ چکے کہ آئینہ و صورت کے درمیان اتحاد کا دعویٰ صحیح نہ حلول کا زعمِ باطل درست۔ اب تُم چاروں درجوں کی توحید میں جو فرق ہے وہ اس مثال سے سمجھ سکتے ہو۔ اخروٹ میں دو قسم کے پوست اور ایک قسم کا مغز ہوتا ہے۔ پھر مغز میں روغن ہے۔

1ء4ء1 منافقوں کی توحید پہلے چھلکے کے درجے میں ہے۔ کیونکہ یہ چھلکا کسی کام کا نہیں ہوتا۔

1ء4ء2 عام مسلمانوں کی توحید دوسرے چھلکے کے درجے میں ہے' یہ کچھ کارآمد ہوتا ہے۔

1ء4ء3 عارفانہ توحید مغز کے درجہ میں ہے' اسکا فائدہ اور اسکی خوبی ظاہر ہے۔

1ء4ء4 موحدانہ توحید روغن کے درجہ میں ہے۔ اسکی تعریف کی حاجت نہیں۔ دیکھو اخروٹ تو پورے مجموعہ کو کہتے ہیں' مگر پہلے چھلکے سے روغن تک جو فرق ہے وہ صاف روشن ہے۔ اسی طرح توحید تو ہر توحید کو کہتے ہیں۔ مگر درجات' ثمرات' قاعدے ضابطے میں ہزار در ہزار ہیں۔ اے بھائی یہ مکتوب معمولی نہیں۔ اسی میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اچھی طرح اس کو دیکھو اور اسکی تہ کو پہنچو۔ کیونکہ یہ مکتوب جڑ ہے تمام مقامات و احوال و معاملات و مکاشفات کی۔ جب تم کلمات مشائخوں کے دیکھو یا اُن کے اشارات پر تمھاری نظر پڑے' یا اُن کی کتابیں دیکھنے میں آئیں۔ اگر اس مکتوب کے اصول کو ملحوظ رکھو گے تمھیں غلط فہمی نہ ہوگی۔ ٹھیک ٹھیک سمجھ لوگے۔ اشعار یہ توحید یہ مشائخِ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو اپنے درجہ کے اعتبار سے نظم فرمائے ہیں وہ بھی اسی اصول و قانون سے سمجھے جائیں گے۔ اور کہیں سے کسر نہ ہوگی۔ اے برادر عزیز بہت ممکن ہے کہ اہلِ توحید کی حالتوں کو دیکھ اور سُن کر تمھیں غبطہ ہو اور حسرتِ نایافت بے کل کردے اور شکستہ خاطر ہو کر تم نومید ہو جاوٗ۔ نہیں نہیں بلند ہمّتی سے کام لو۔ ہم نے مانا تم چیونٹی کی طرح خاکسار سہی' مگر دِل حضرت سلیمان [علیہ السلام] کے ایسا پیدا کرو۔ اور اس راہ میں قدم رکھو۔ ہم نے فرض کیا کہ مچھّر کی طرح منحنی ہو' لیکن جگر شیر کا بنا ڈالو اور منزلِ مقصود کی تلاش میں گام زنی شروع کردو۔ تُم دیکھتے نہیں کیا سے کیا ہوا اور کیا کیا ہو رہا ہے۔ سات سات برس لاکھ برس کی طاعت و عبادت کو بادِ بے نیازی نے اس طرح اُڑا پھینکا ہے کہ ہباء منشورا ہو کر رہ گئی۔ اپنی خرابیوں کو تم نہ دیکھو اس بات کو دیکھو کہ آب و خاکِ بے مقدار سے حضرت آدم صفی اللہ کیسے پیدا ہو گئے۔ ایک ہستی جس کے کفیل ابوطالب تھے وہ محمد رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] کیونکر ہوگئی۔ آزر بُت تراش کے گھر میں حضرت ابراھیم [علیہ السلام] خلیل اللہ کا وجود کس طرح ظہور پزیر ہوا۔ سُبحان اللہ و بحمدہِ۔ اور اس بات کا تماشا دیکھو کہ مشرکوں سے مؤحدین' کافروں سے مؤمنین' عاصیوں سے مُطیعین' مُفسِدوں سے مصلحین ہوا کرتے ہیں۔ قدرت کسی کی طاعت پر نظر نہیں کرتی۔ لُطف کسی کی معصیت کو نہیں دیکھتا۔ نقل ہے ایک زنّار دار اپنے زنّار کو آراستہ کر رہا تھا۔ غیب سے ایک بھید ظاہر ہوا۔ جس سے زنار کی حقیقت اُس پر کُھل گئی۔ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ حالت یہ تھی کہ دوڑتا جاتا تھا اور نعرہ مارتا تھا این اللہ۔ اللہ کہاں ہے؟ اس انکشافِ راز کے باعث ایسا سوزِ دروں پیدا تھا کہ اس کو ذرا قرار

نہ تھا۔ یہاں سے وہاں اس شہر سے اس شہر مارا مارا پھرتا تھا۔ اسی طرح گرتا پڑتا ملکِ شام میں جبل لبنان پر پہنچا۔ اس پہاڑ پر غوث‘ قطب‘ ابدال‘ اوتاد وغیرہم رہا کرتے ہیں۔ جا کر کیا دیکھتا ہے کہ چھ آدمی کھڑے ہیں۔ اور ایک جنازہ سامنے رکھا ہے۔ یہ غریب بدحال ان لوگوں سے واقعہ دریافت کرنے لگا۔ ان لوگوں نے کہا واقعہ پیچھے پوچھیے گا‘ پہلے نمازِ جنازہ کی امامت تو کیجیے۔ خدا کی شان وہ بے تکلف آگے بڑھ گیا اور نمازِ جنازہ پڑھادی۔ جب نماز پڑھا چکا تو وہ لوگ کہنے لگے ہم لوگ ان سات آدمیوں میں سے ہیں جن پر سارے عالم کے کُل کاروبار کا دارومدار ہے۔ اور جس میت پر آپ نے نماز پڑھی ہے وہ ہمارے روشن ضمیر پیر تھے۔ قطبِ عالم کے عہدے پر فائز تھے۔ وقتِ انتقال یہ وصیت فرمائی تھی کہ غسل وغیرہ سے جب فراغت ہو جائے تو جنازہ رکھ کر تھوڑا انتظار کرنا۔ ایک صاحب اس گوشے سے آئیں گے۔ ان سے کہنا کہ نماز آپ ہی پڑھائیں۔ کیونکہ ہمارے بعد قطبیت کا درجہ اُنھیں حضرت سلامت کو ملے گا۔ والسلام۔

2۔ دوسرا مکتوب۔ توبہ کے بیان میں

بسمِ اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالےٰ تُم کو توبہ کرنے والوں کی بزرگی عطا فرمائے۔ تمھیں معلوم ہو کہ پہلی منزل اس راہ کی توبۂ نصوح ہے۔ یعنی توبۂ خالص و توبۂ خاص الخاص۔ یہ توبہ علیٰ قدرِ مراتب ہوتی ہے۔ اس میں کسی کی قید نہیں۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا

تُوبُوا الی اللہِ جمیعًا ایّتھا المؤمنون لَعلکم تُفلِحون

[یعنی اے مؤمنو تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو شاید تمھاری بہتری ہو جائے]۔ یہ آیتِ شریف صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی۔ وہ حضرات ہمہ تن تائب تھے۔ کفر سے سخت بے زار‘ ایمان سے نہایت رغبت و دلچسپی رکھنے والے۔ گناہ پر اُن حضرات نے لات ماری تھی۔ اور پسِ پُشت ڈال دیا تھا‘ طاعت و عبادت میں مشغول تھے۔ پھر سبھوں کو توبہ کا جو حکم ہوتا ہے اس کے کیا معنی ہوئے؟ ایک بزرگ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ توبہ ادنیٰ اعلیٰ سب پر فرض ہے‘ ہر آن و ہر ساعت۔ مگر ہر محل میں توبہ کی صورت بدل جاتی ہے۔ کافر سے کفر پر توبہ اور ایمان لانا فرض ہے۔ عاصیوں پر معصیت سے توبہ کرنا اور عبادت میں مشغول ہونا فرض ہے۔ محسنوں پر فرض ہے کہ افعالِ حسن سے احسن کا قصد کریں‘ وقفانِ راہ پر فرض ہے کہ وہ

ایک مقام پر ٹھرے نہ رہ جائیں۔ روشِ سالکانہ اختیار کریں۔ مقیمانِ آب و خاک پر فرض ہے کہ صرف عالمِ اجسام کی سیر کافی نہ سمجھیں، طیر کی قوت حاصل کریں حضیضِ سفلی سے اُڑ کر اوجِ علوی پر پہنچیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سالک کا کسی مقام پر ٹھرنا گناہ ہے۔ اس مقام سے اس کو توبہ کرنا چاہیے۔ اور آگے قدم بڑھانا چاہئے۔ تُوبُوا الی اللّٰہِ کا ترجمہ جمیعًا ایّتھا المؤمنون لعلکم تُفلِحون۔ تفسیر یہی ہے۔ بات یہ ہے کہ جس مرتبہ میں سالک پہنچتا ہے اُس سے اعلیٰ مرتبہ موجود ہے۔ مرتبۂ اسفل سے ترقی کرنا، اور مرتبۂ اعلیٰ پر پہنچنا فرضِ راہ ہے ورنہ سلوک ناتمام رہے گا۔ اسی لیے شرع شریف میں حکم ہے کہ سِیْرُو سَبَقَ الْمُفَرِّدُون [یعنی مفردوں کے آگے سیر کرو]۔ توبہ اگر صرف گناہِ ظاہری سے ہوتی تو پیغمبروں کو توبہ کی کیا حاجت تھی۔ وہ تو گناہِ صغیرہ و کبیرہ سے پاک ہیں۔ مگر ان حضرات سے بھی توبہ ثابت ہے اور وہ معنًا اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب تجلّیِ ربّانی ہوئی۔ عالمِ بے خودی کے بعد جب ہوش آیا تو آپ نے فرمایا تُبتُ اِلیکَ [یعنی میں نے تیری طرف توبہ کی]۔ بہ ظاہر توبہ کا محل نہ تھا۔ مگر آپ کو یہ خیال ہو کہ اَرِنِی کہنا اپنے اختیار سے ہمیں زیبا نہ تھا۔ کیونکہ عاشق صاحبِ اختیار نہیں ہوتا۔ دوستی میں اختیار سراسر آفت در آفت ہے۔ اس لیے آپ نے توبہ کی اور کارِ حَسَن سے کارِ احسن کی طرف رجوع کیا۔ آپ ہی پر موقوف نہیں خود حضرتِ رسالت پناہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اِنّی لَاَستغفرُ اللہَ فِیْ کُلِّ یومٍ سبعین مرّۃ [میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں] اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کو ہر ساعت ترقیِ مقام ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ پر پہنچتے تھے۔ مرتبۂ اوّل کو مرتبۂ دوم سے کمتر سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ استغفار فرما کر صواب سے اصوب کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ یہیں سے اس جملہ کے معنی حل ہوتے ہیں کہ حَسَناتُ الابرارِ سَیِّئَاتُ المُقَرّبِین۔ توبہ کے اصلی معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ رہا یہ کہ صنعتِ رجوع مختلف ہوا کرتی ہے۔ جس حال جس معاملہ جس مقام کا آدمی ہوگا اسی لحاظ سے توبہ ہوگی۔ عوام کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے، نافرمانی کی ہے اللہ تعالےٰ سب گناہوں کو معاف کرے تاکہ عذاب سے بچیں۔ خاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ جس قدر نعمتیں عطا ہوئیں اور جس قدر رحم و کرم ہوا اور ہو رہا ہے اس اعتبار سے مطلق خدمت ادا نہ ہوئی۔ خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم اپنے کو صاحبِ قوت و طاقت کیوں سمجھتے ہیں۔ ہم نے اپنے کو موجود کیوں خیال کیا۔ عاجز و نیست کیوں نہ سمجھا۔ قوی ہے تو وہی ہے اور موجود ہے تو وہی ہے۔ جب توبہ کے مراتب معلوم ہو چکے تو ایک مسئلہ بھی سُن لو۔ یہ مسئلہ تان کہ جان ہے۔ مسئلہ توبہ کے لیے ہمیشگی شرط نہیں ہے۔ یعنی جب کسی گناہ سے آدمی توبہ کرے تو اس کے معنی یہ نہیں ہوئے کہ وہ گناہ اُس سے عمر بھر سرزد نہ ہو۔ نیّت البتہ صحیح ہونا چاہیے۔ جب توبہ کرے تو سچّے دِل سے قصد رکھے کہ اب یہ گناہ ہم نہ کریں گے۔ توبہ ہو جائے گی اور وہ شخص ماجور ہوگا۔ اور اگر تائب سے پھر گناہ سرزد ہو جائے تو نئے گناہ کے قبل تک وہ تائب تھا۔ اور توبہ کا ثواب اُس کو ملے گا۔ ان بزرگانِ دین سے بڑھ کر کو وہ مقامات واحوال و معاملات کا تجربہ کسی کہ نہیں ہے۔ دیکھو اس گروہ میں بھی بعض لوگ ایسے گزرے ہیں کہ توبہ کے بعد گناہ پھر گناہ میں مبتلا ہوئے اور پھر توبہ کی۔ ایک بزرگ کا قول ہے رحمۃ اللہ علیہ کہ میں نے ستّر بار توبہ کی اور برابر گناہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ اکھترویں مرتبہ جب میں نے

توبہ کی تو استقامت حاصل ہوئی۔ بعدہ پھر مجھ سے گناہِ ظاہری نہیں ہوا۔ ایک بزرگ کی اور نقل ہے کہ توبہ کے بعد ہو معصیت میں گرفتار ہو گئے۔ نہایت ندامت اُن کو ہوئی۔ ایک روز دل ہی دل میں کہنے لگے کہ اگر بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہیں تو نہیں معلوم کیا حال ہمارا ہو گا۔ ممکن ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑے۔ ہاتف نے آواز دی

اَطَعْتَنَا فَشَکَرْنَاكَ ثُمَّ تَرَکْتَنَا فَاَمْهَلْنَنَاكَ فَاِنْ عُدْتَّ اِلَیْنَا قَبِلْنَاكَ

[میری طاعت تو نے کی میں نے تیرا شکر کیا [یعنی تُجھ کو جزا دی] پھر بے وفائی تو نے کی اور مجھ کو چھوڑ دیا۔ میں نے تجھ کو مہلت دی۔ اب اگر تیرے جی میں ہے کہ رجوع کرے تو میں تجھے صُلح کے ساتھ قبول کر لوں گا۔] سبحان اللہ۔

اب اقوالِ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین توبہ کے متعلق سنو۔ حضرت خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

توبۃُ العوام مِن الذنوب و توبۃُ الخواص مِن الغفلۃِ و توبۃُ الانبیاءِ مِنْ رُّویَۃِ عِجْزِھِمْ عَنْ بُلُوْغِ مَانالہ غَیْرُھُّمْ مِنْ رُّویَۃِ الْحَسَنَاتِ۔

عوام کی توبہ گناہ سے باز آنا ہے۔ خواص کی توبہ غفلت سے باز آنا ہے۔ انبیاء کی توبہ اس مقام سے ہے جس مقام میں وہ فی الحال موجود ہیں اور دوسرے نبی کو اس سے برتر مقام مِل چکا ہے۔

حقیقتِ توبہ کے متعلق حضرت خواجہ سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ التوبۃُ اَنْ لا تنسی ذنبك' توبہ کی تعریف یہ ہے کہ اس گناہ کو تم نہ بھولو۔ اور ہمیشہ اس کی ندامت باقی رہے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اگر بہت سے بہت بھی عملِ صالح تم سے ہوں گے' تو عجب نہ پیدا ہو گا۔ اور۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک جماعت کے ساتھ یہ خیال رکھتے ہیں کہ التوبۃُ اَنْ تنسی ذنبك' توبہ کی تعریف یہ ہے کہ جو گناہ تم نے کیا ہے اس کو بھول جاؤ۔ کیونکہ تائب کا درجہ محب کا درجہ ہے۔ وہ ایک گونہ دوستوں میں داخل ہے۔ ایک دوست کا دوسرے دوست سے سابق بے عنوانیوں کو دُہرانا ہر گز جفا سے کم نہیں۔ یہ قول اور وہ قول بہ ظاہر ضدّیک دیگر ہیں۔ مگر معنی میں ضدّیت نہیں۔ معنی فراموش کرنے کے یہ ہیں کہ حلاوت اس گناہ کی دل سے نکل جائے۔ تائب ایسا ہو جائے کہ گویا اُس نے گناہ کیا ہی نہیں ہے۔ خیر' حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خاص حالت میں یہ جواب ملا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت پڑھا مگر کسی چیز سے ہم کو اتنا فائدہ نہ ہوا جتنا اس شعر سے۔۔شعر

اِذا قُلتُ مآ اذنبتُ قالت محبتہٗ وُجدُكَ ذنب لا یقاسُ بِها ذنب

[جب میں نے پوچھا۔ ہم نے کیا گناہ کیا، تو اُس کی مُحبت نے جواب دیا تیرا وجود ہی اتنا بڑا گناہ ہے جس کے مقابلے میں سارے گناہ ہیچ ہیں]۔

اللہ اللہ ! معشوق کی بارگاہ میں عاشق کا وجود بھی گناہ ہے۔ اور باتوں کو کون پوچھتا ہے۔ اے بھائی کیا کہیں اجل تاک میں ہے جو دم آدمی کا ہے غنیمت ہے۔ اس وقت کی قدر کرنا چاہیے۔ کیا معلوم کس وقت ملک الموت پہنچ جائیں۔ توبہ سے غافل نہ رہو۔ ایک بوڑھا آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ گناہ کی ہمارے انتہا نہیں ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اب توبہ کرلیں۔ اُن بزرگ نے فرمایا کی اے بوڑھے تُم چُوک گئے، آنے میں بہت دیر لگادی۔ تمھیں جوانی میں آنا تھا۔ مگر بوڑھا صحبت یافتہ تھا، اور توبہ کے فوائد سُن کر آیا تھا۔ کہنے لگا نہیں حضرت دیر سے کیا واسطہ، میں تو جلد سے جلد آیا ہوں۔ اے جناب توبہ وہ نعمت ہے کہ اگر مرنے کے قبل اگر نصیب ہو جائے تو کیا کہنا ہے۔ دیر ہونا بھی عین جلدی ہے۔ میں جلد سے جلد آیا ہوں۔ بھائی میرے، ہر چند تم گناہ سے آلودہ اور ملوث ہو رہے ہو، توبہ کرو تو سہی۔ دیکھو توبہ تمھاری کیسے امید افزا ہوتی ہے۔ تم کو جاننا چاہیے کہ ساحرانِ فرعون سے تم زیادہ آلودہ تو نہیں۔ سگِ اصحابِ کہف سے تم زیادہ ناپاک نہیں۔ سنگِ طورِ سینا سے تم زیادہ جامد نہیں۔ چوبِ حنّانہ سے تم زیادہ بے قیمت نہیں۔ قطع نظر اس کے کوئی شخص حبشی سے غلام لاکر اُس کا نام کافور رکھ دے تو اس میں کسے کا کیا اجارہ ہے۔ دیکھو، جب ملائکہ نے کہا کہ ہم کو ان کے [انسان کے] فساد کی طاقت نہیں ہے۔ ندا آئی۔ ٹھیک ہے، یہ کہنا تمھارا اس وقت مناسب ہوتا جب ہم حاجت لے کر تمھارے دروازے پر ان کو بھیجتے، یا تمھارے ہاتھ ان کو بیچتے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو ہرگز نہ چڑھنے دینا اور نہ خریدنا۔ شاید تم کو اس کا خوف ہے کہ معصیت ان کی میری رحمت سے بڑھ جائیگی یا آلودگی میں ان کی ہماری قدوسیت پر دھبہ لگادے گی۔ کیا ممکن یہ وہ مشتِ خاک ہیں، کہ ہماری درگاہ میں مقبول ہیں۔ جب ہم نے قبول ہی کرلیا ہے تو معصیت ولوث کی کیا مجال ہے جو کچھ کرسکیں۔

سراسر ماہمہ عیبیم بدیدی وخریدی توزہے کالاۓ پُر عیب، زہے لطفِ خریدارے

[میں سر سے پاؤں تک عیب ہی عیب ہوں تو نے ٹھوک بجا کر مجھ کو خریدا ہے۔ واہ کیا اچھی یہ عیب دار جنس ہے، اور کیا خوب مہربان خریدار ہے]۔ والسلام۔

3۔ تیسرا مکتوب۔ دشمن کے خوش کرنے کے بیان میں

بسمِ اللہ الرحمٰن الرحیم

بھائی شمس الدین کو اللہ تعالیٰ ابدی نیک بختی نصیب کرے اپنی منّت اور کرم سے میری طرف سے سلام و دعا۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ توبہ کرنے کے بعد مرید کا کام دشمنوں کا خوش کرنا رہ جاتا ہے۔ اور یہ بڑا کھڑاگ ہے۔

سنو! گناہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اوّل اُن امور کا ترک جن کو خداوند تعالےٰ نے واجب کیا ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ ان کی یہی توبہ ہے کہ حتی المقدور قضائیں ادا کی جائیں۔ دوسرے وہ جن کا خدا اور بندے سے تعلق ہے۔ مثلاً شراب پینا' زنا کرنا' سود لینا۔ آوازِ مزامیر کا سُننا۔ ان گناہوں سے تائب ہونے کی یہی صورت ہے کہ تم اعترافِ ندامت کے ساتھ پکّا ارادہ کر لو کہ پھر نہ کریں گے۔ تیسرا گناہ حق العباد ہے اور یہ نہایت سخت و دشوار ہے۔ اِس کے چند طریقے ہیں۔ جان و مال' ذاتیات' عورت' لونڈی اور دین کے نقصانات۔ اگر تم نے مال کا گناہ کیا اور تمھیں اس کی واپسی کی قدرت ہے تو تم پر واجب ہے کہ اس کو لوٹا دو۔ اور اگر ادا گی سے مجبور ہو تو معافی چاہو۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہو سکیں تو اس رقم کہ اس روح پر صدقہ کر ڈالو۔ اگر یہ بھی نہیں ہو تو نیکیاں کرو۔ اور الحاح و زاری کے ساتھ خدا سے معافی مانگو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کرم سے قیامت کے دن تمھارے دشمنوں کو تم سے خوش کر دے۔ اگر تم نے ذاتیات کے نقصان پہنچائے ہیں' کسی کی غیبت کی' تہمت جوڑی' گالیاں بکیں تو یہ لازم ہے کہ اس سے جا کر کہو "بھئی ہم نے تمھاری طرف جھوٹی باتیں لگائی ہیں معاف کر دو"۔ مگر ذرا سوچ سمجھ کر' ایسا نہ ہو کہ اس کا غصّہ بھڑک اُٹھے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ کیونکہ جہاں اشتعال' غیض و غضب کا یقین ہو وہاں یہی اچھا ہے کہ خدا کی درگاہ میں سر رگڑو' اور معافی کے خواستگار ہو۔ اگر تمھارا دشمن زندہ نہ ہو تو اُس کی روح پر ایصالِ ثواب کرو۔ اگر تم نے کسی کی بیوی یا شرعی لونڈی کے ساتھ بدنیتی کی ہے یا اس سے بھی زیادہ تجاوز کر گئے ہو تو یہ موقع نہ معافی کا ہے اور نہ ظاہر کرنے کا۔ بہتر یہی ہے کہ اس معاملہ کو خدا ہی کے حوالے کرو کہ وہ روزِ قیامت اُن کو تم سے رضامند اور خوش کر دے۔ اور اگر ان کے اشتعالِ غضب کا خوف نہ ہو۔ اگرچہ یہ اتفاقی ہے تو معافی مانگ لو۔ اور دین کا گناہ وہ ہوا کہ کسی کی بیجا تکفیر کی یا کسی کو گمراہ کر ڈالا ہو' یہ بھی سخت دشوار ہے۔ تمھیں چاہیے کہ حتی الامکان اس شخص سے اپنی دروغ بیانی کا اظہار کر کے معافی چاہو۔ اگر نا ممکن ہو تو نادم ہو کر درگاہِ خداوندی میں سر ٹیک دو۔ یہاں تک اس کو خدا تم سے خوش کر دے۔

الغرض جیسے اور جس طرح ممکن ہو دشمنوں کو خوش اور راضی کرو۔ اور اگر غیر ممکن ہو تو صدقِ دل سے تضّرع و زاری کے ساتھ بارگاہِ خداوندی کی طرف رجوع کرو۔ تاکہ قیامت کے دن تمھارے دشمن تم سے رضامند اور خوش ہو جائیں۔ خدا کے فضل و کرم سے بڑی امید ہے کہ جب وہ بندے کی صداقت دیکھے گا تو اپنی رحمت سے اس کے دشمنوں کو خوش کر دے گا۔ اگر

میرے کہنے پر تم نے عمل کیا اور ترکِ گناہ کا عزمِ بالجزم کر لیا' لیکن گزشتہ گناہوں کی قضائیں ادا نہ کیں اور دشمنوں کو خوش نہ کیا تو تم پر عتابِ خداوندہ اب تک باقی رہا۔ ذرا خبر دار رہنا کہ یہ گھاٹی سخت کٹھن اور نہایت خطرناک ہے۔

سنو! خواجہ ابو اسحٰق اسفرانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے علّامہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں" میں تیس برس تک خدا سے توبۂ نصوح چاہتا رہا' مگر قبول نہ ہوئی۔ ایک دفعہ میں نے متعجّب ہو کر کہا۔ تیس برسوں میں بھی ایک حاجت پوری نہ ہوئی۔ چناچہ میں نے دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہ رہا ہے۔ تمھیں تعجب ہوتا ہے' لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ تم کیا مانگ رہے ہو؟ چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تم کو اپنا دوست بنالے۔ کیا یہ کوئی معمولی مراد مانگی ہے؟" بھائی جان' بندے کے لیے گناہ ایک بلا ہے۔ خدا کی پناہ' اس کی ابتدا سختیِ دل اور آخر کفر کی بدبختیاں۔ ابلیس اور بلعم باعور کے قصّوں کو بھولنا نہ چاہیے۔ دیکھو اوّل اوّل دونوں سے گناہ سرزد ہوئے۔ آخر کفر کی نوبت آ پہنچی۔ صلحاء کہتے ہیں "گناہ سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ اس کی پہچان یہی ہے کہ گناہ کا خوف دل سے جاتا رہے' طاعت و عبادت میں لذت نہ ملے۔ کسی کی اچھی باتیں دل کو بُری لگیں"۔ اس غفلت کا مطلق موقع نہیں۔ جس قدر جلد سے جلد ممکن ہو توبہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ وہ گھات میں لگی بیٹھی ہے۔

میں نے مانا کہ تم توبہ کے بعد پھر بھی گناہ کرو گے تو اس میں مضایقہ ہی کیا ہے۔ پھر توبہ کر لینا۔ اور دل سے یہ کہو کہ ممکن ہے کہ گناہ سے پیشتر ہی مجھے موت آ دبوچے' اِس طرح ہر بار جب گناہ سرزد ہوں توبہ کرتے چلے جاؤ۔ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جتنی طاقت گناہ کرنے میں خرچ کرتے ہو' اُتنی ہمّت توبہ کرنے میں صرف کرو۔ آخر اس کے کیا معنی کہ توبہ کرنے میں عاجز اور گناہ کرنے میں مستعد۔ توبہ سے رُکنا شیطانی اغوا ہے۔ اگر تمھارا خیال یہ ہے کہ جب گناہ سے باش ہی نہیں آئیں گے' اور جبکہ توبہ پر ثابت قدمی نہیں' تو توبہ کس کام آئے گی۔ ایسی توبہ کا حاصل ہی کیا۔ یہ سب شیطانی چکمے ہیں۔ کیا تم پر یہ باتیں تمام ہیں کہ گناہ کرنے تک زندہ رہو گے۔ بہت ممکن ہے کہ نئے گناہ سے قبل ہی تم مر جاؤ۔ اس قسم کا ڈر محض فضول اور لغو ہے' تمھارا کام صرف اس قدر ہے کہ توبہ سچّے دل سے کرو۔ اس وقت نیت خالص رہنا چاہیے۔ رہا اس کی تکمیل اور اس پر ثابت قدم رکھنا خدا کے ہاتھ ہے۔ اگر اس نے ثابت قدم رکھا' سبحان اللہ! اور اگر نہ رکھا تو یہ کچھ کم نہیں کہ پہلے گناہ بخش دیے۔ تم بالکل پاک صاف ہو گئے۔ اب اگر تمھارے سر پر بوجھ رہا تو صرف اسی نئے گناہ کا۔ کیا یہ فائدہ کوئی معمولی فائدہ ہے کہ گزشتہ گناہوں کی بخشایش ہو گئی۔ تمھارا فرض ہے کہ توبہ کیے جاؤ۔ گناہ ہوں تو ہوں' توبہ کرنے کے دو فائدے ہیں' ایک تو گناہِ گزشتہ کی معافی دوسرے آیندہ گناہ سے باز رہنا' توبہ کے بعد بفرضِ محال اگر تم آیندہ گناہ سے باز نہ رہے تو کم از کم اتنا تو ہوا کہ گزشتہ معاف ہو گئے۔ حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد تم نے نہیں سنا کہ تم میں بہترین شخص وہی ہے کہ اگر گناہ زیادہ کرے تو توبہ بھی بہت کرے۔ توبہ کا لبِ لباب یہ ہے کہ جب تم نے ارادہ کر لیا اور دل میں ٹھان لیا کہ اب گناہ نہ کریں گے۔ اور تمھاری سچّائی بارگاہِ خداوندی میں بھی مقبول ہو گئی اور حتی الامکان اپنے دشمنوں کو بھی تم نے خوش کر لیا۔ اور جو فرائض قضا ہوئے تھے بقدرِ

امکان ادا ہوگئے' اور جو باقی رہے اُن کے لیے درگاہِ خداوندی میں تم نے تضرّع وزاری کی' بہترین طریقہ پاکی و طہارت کا میں تم کو بتاتا ہوں اُس پر عمل کرو اور اپنے کو سچّا تائب بناڈالو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باقاعدہ غسل کرو اور پاک و صاف کپڑے پہن کر چار رکعت نماز نہایت حضورِ دل سے ادا کرو۔ اس کے بعد سجدے میں جاؤ۔ اور ایسی جگہ ہو کہ محض تخلیہ ہو۔ خدا کے سوا تم کو کوئی اور نہ دیکھتا ہو۔ اور سر و ریش کو خاک آلودہ کرو۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ دل میں سوز و قلق ہو بہ آوازِ بلند جتنے گناہ تم کو یاد ہوں اُن کو دُہراؤ۔ اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہو کہ اے نفس وہ وقت آگیا کہ تُو توبۂ نصوح کرے اور تُو خدا کی طرف سچّائی سے رجوع ہو۔ کیونکہ تجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ عذابِ خداوندی برداشت کر سکے۔ اور تیرے پاس وہ سرمایہ بھی نہیں جو تجھ کو خدا کے عذاب سے بچا سکے۔ اس قسم کے کلمات کی تکرار کرو۔ اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر اس طرح مناجات کرو۔ "اے اللہ بندۂ گنہگار بھاگا ہوا تیرے در پر پھر آیا ہے۔ بندۂ گنہگار رحمت کا طلبگار ہے۔ بندۂ گنہگار عذر لایا ہے بیشک اس ناچیز سے خطائیں ہوئیں تو ان کو معاف فرما۔ اور اپنے فضل سے ہم کو قبول کر اور رحمت کی نظر سے ہماری طرف دیکھ۔ اے اللہ ہم کو بخش دے اور تمامی گناہ سے محفوظ رکھ کہ نیکی تیرے ہاتھ ہے۔ تو بخشنے والا اور بخشایش کرنے والا ہے۔ قطعہ

چند از گنہ گر شد پدید در چناں دریا کجا آید پدید
نہ گردد تیرہ آں دریا زمانے ولے روشن شود کارِ جہانے

[اگر گناہ کے چند قطرے ظاہر بھی ہوئے' تو اتنے بڑے سمندر میں کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس دریا کا پانی ذرا بھی گدلا نہ ہوگا۔ اور جہاں والوں کا کام جس طرح چلتا ہے چلتا رہے گا]۔

اس کے بعد یہ دُعا پڑھو

يا مُجلّی عظائم الامور يا منتهی همّة المؤمنين يا من إذآ اراد شيئا انْ يقول له كن فيكونُ احاطت بنا ذنوبنا و انت المذخورُ لها يا مذخورُ لكل شدّةٍ كنت اَذخرك لهذا الساعةِ فتُب علیّ انك انت التوّاب الرحيم۔

ترجمہ : - اے بڑے بڑے امور کو روشن کرنے والے۔ اے مؤمنین کی ہمّت کو انتہا تک پہنچانے والے' اے وہ ذات کہ جب ارادہ کیا کسی کام کے ہونے کا تو کہہ دیا اس کو کہ ہو جا' بس ہو گیا۔ میرے گناہوں نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ اور ان گناہوں کو تو جمع کیے ہوئے ہے اے جمع کرنے والے۔ واسطے ہر شدّت کے تجھ کو خزانچی بنایا اس گھڑی کے واسطے۔ پس رجوع کیا میں نے اس امیّد پر کہ تو میری توبہ قبول کر لے۔ بیشک تو قبول کرنے والا مہربان ہے]۔

پھر خوب گریہ وزاری کو اور یوں مناجات کرو

يامن لايشغله سمع يا من لايغلطه المسائل يا من لايبرمه الحاح الملحين اذقنا برد عفوك وحلاوة رحمتك انك على كل شئ قدير

[اے وہ ذات کہ اس کو نہیں روکتا ایک شخص کی بات سننا دوسرے شخص کی بات کے سننے سے۔ اے وہ ذات کہ غلطی نہیں کرتی ہے سوال کے سمجھنے میں۔ اے وہ ذات کہ اُس کو مجبور نہیں کرتا ہے الحاح کرنے والوں کا الحاح۔ چکھادے ہمیں اپنی معافی کا مزہ اور اپنی رحمت کی مٹھاس۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے]۔

پھر درود پڑھو اور اپنے اور جملہ مسلمانوں کے لیے مغفرت چاہو۔ اور طاعت و عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ کیونکہ تم نے توبۃً نصوح کی اور سب گناہوں سے پاک ہوگئے۔ اور ایسے پاک معصوم ہوئے جیسے آج کا پیدا۔ اللہ نے تم کو دوست بنالیا اور بہت کچھ اجر و ثواب تمھارے ہاتھ آئے۔ اور تم پر اس قدر رحمت و برکت نازل ہوئی کہ اس کو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا ہے۔ تمھیں دنیا اور آخرت کی بلا سے نجات حاصل ہوئی۔ اب ایک نکتہ سنو۔ کہ اگر باعیب قبول کرنا نہ ہوتا تو عیب دار پیدا ہی نہ کرتا۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام گندم کھانے کہ وجہ سے دنیا میں نہ بھیجے گئے۔ بلکہ خود خواہشِ خداوندی یہی ہوئی کہ وہ بہشت سے دنیا میں جائیں۔ اس کے کیا معنی کہ قیامت کے دن سیکڑوں ہزاروں کبیرہ گناہ کرنے والے بہشت میں بھیجے جائیں اور آدم علیہ السلام صرف ایک زُلّت کے سبب بہشت سے باہر کر دیے جائیں۔ اگر آدم علیہ السلام کے آنے کا باعث ایک گناہ گناہ سمجھا جائے' تو پھر اس کی کیا وجہ کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں مقامِ قاب قوسین تک پہنچ کر پھر واپس تشریف لائے۔ یہ جانا آنا دونوں اسرار سے خالی نہ تھا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے جانے سے یہ ہوا کہ فرشتوں نے درود پڑھ کر آداب و احترام سیکھے۔ اور واپس آنے سے اہلِ زمین نے آپ کے بیان سے رموزِ شریعت سیکھے۔ وہاں پہنچ کر لا اُحصی ثناء علیك [تیری حمد کی کوئی انتہا نہیں] اگروردِ زبان ہوا۔ یہاں آکر انا افصح العرب والعجم [میں عرب و عجم میں سب سے بڑا فصیح ہوں] سے گوہر فشاں ہوئے۔ بہر حال جہاں تک ممکن ہو سجدے کیے جاؤ۔ اور نیاز مندانہ اور سائلانہ اس درگاہ میں حاضری دو۔ بندہ جب ایاك نعبد [ہم تجھی کو پوجتے ہیں] کہتا ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ جو کچھ لایا ہے اس کو قبول کرو۔ اور جب ایاك نستعين [ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں] کہتا ہے تو ارشادِ خداوندی ہوتا ہے کہ جو کچھ مانگتا ہے اس کو دو۔ بادشاہوں کے خزانے کو سائلوں سے رونق ہوتی ہے۔ اگر غور کر کے دیکھو تو کوئی سائل خاک سے زیادہ خاکسار نہ پاؤ گے۔ آسمان و زمین عرش و کرسی سب چیزیں اس کو دی گئیں۔ مگر نیاز کا یہ حال ہے کہ ایک ذرہ بھی اس میں کمی نہ آئے۔ اور کوئی خزانہ خزانۂ خداوندی کے مقابلے میں نہیں کہ تمام خلق کے لیے جس قدر ضروری تھا اس سے ہزار گونہ زیادہ دیا۔ اور دیتا رہے گا۔ مگر ایک ذرّہ بھی اس سے کم نہ ہوگا۔ والسّلام۔

4۔ چوتھا مکتوب۔ تجدید توبہ کے بیان میں

بسمِ اللہ الرحمٰن الرحیم

اے بھائی شمس الدین تُم کو اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں کی بزرگی نصیب کرے۔ تمھیں معلوم ہو کہ مکرّر سہ کرّر درخواستیں تمھاری متقاضی تھیں کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے۔ اور ہر سوال کے متعلق ارشاد وتنبیہ کی جائے۔ تقاضا اس حد تک تھا کہ تم شکستہ خاطر ہونے لگے تھے۔ اس لیے چند مکتوب مسلسل لکھے جاتے ہیں۔ ان کو کافی غور کے ساتھ پڑھنا۔ قاضی صدرالدین سے حلِ مطالب کر لینا۔ مجھے یقین ہے کہ جب قاضی صدرالدین وہاں موجود ہیں تو کوئی مشکل نہ رہے گی۔ آسان سے آسان ہو جائے گی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ بقدرِ وسعت عمل بھی کرتے رہو۔ کیونکہ اصل کام عمل ہی ہے اور ایک ساعت بھی تجدید توبہ سے غافل نہ رہو۔ اور دل میں ہمّت رکھو کہ حق سبحانہ و تعالیٰ توبہ کی حقیقت تک پہنچادے۔ کیونکہ بغیر توبہ کے عمل درست نہیں ہوتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایمان جو عمل کے لیے ایک بڑا سرمایہ ہے۔ اس میں حلاوت نہیں پیدا ہوتی۔ تم جانتے ہو' اس راہِ طلب میں قدم کون رکھتا ہے؟ ایمان رکھتا ہے۔ اور ان احکام کے بوجھ کو کون اُٹھاتا ہے؟ ایمان اُٹھاتا ہے۔ اور اس خونخوار جنگل کو قطع کون کرتا ہے' ایمان کرتا ہے۔ اور اس بحرِ محیط سے پار کون ہوتا ہے؟ ایمان ہوتا ہے۔ اور شربتِ دیدار کون پیتا ہے؟ ایمان پیتا ہے۔ اور یہ دردِ عشق کس کو ہوتا ہے؟ ایمان کو ہوتا ہے' اور منزلِ مقصود کی تلاش کس کو ہوتی ہے؟ ایمان کو ہوتی ہے۔ اب اس سے سمجھ لو کہ توبہ کو ایمان سے کیا تعلق ہے۔ اور ایمان کہاں تک ترقّی کرتا ہے۔ ہر دل میں آفتابِ ایمان اسی قدر دکھائی دے گا جتنی جلا توبہ سے حاصل ہوگی۔ جس درجہ میں درگاہِ توبہ وسیع ہوگی' اسی قدر آفتابِ ایمان کی روشنی ہوگی۔

اب یہ بھی سُن لو کہ توبہ کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے کہ طالب کے صفاتِ ذمیمہ صفاتِ حمیدہ سے بدل جائیں۔ صوفیوں کی اصطلاح میں اس کو گردش کہتے ہیں۔ تم نے سُنا ہوگا کہ پیرانِ طریقت مریدوں کو چلّے کا حکم دیتے ہیں۔ اس سے غرض کیا ہے۔ یہی کہ مرید ایک حال سے دوسرے حال میں وہ جائے۔ جب ایسا ہو کہ مرید کی حالت بدل گئی' تو وہ ایک دوسری چیز وہ گیا۔ تم جس کو دیکھ رہے تھے وہ شخص نہ رہا۔ ایک دوسری ہستی نمودار ہو گئی۔ کیونکہ جب صفت بدل گئی تو وہ شخص بھی بدل گیا۔ اگرچہ صورتاً وہی شخصیت قائم ہے۔ مگر صورت تو کسی طرح قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتی۔ ایسی ہی گردش کے بعد جو نورِ ایمان پیدا ہوتا ہے اس کا نام حقیقتِ ایمان ہے۔ اور قبل اس تبدیلِ صفات کے ساری کلمہ گوئی تقلیدی اور حرکتِ لسانی کے سوا کچھ نہ تھی۔ بہت افسوس ہے کہ ایک جہاں اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور حقیقتِ ایمان سے بے خبر ہے۔ جس نے یہ کہا خوب ہی کہا ہے۔ مثنوی:

تا کے بہ زبان خداپرستی این است مگر ہواپرستی
تانہ گردی تو مسلمان اس درون کے توانی شد مسلمان

از بُرون تا کے بہ زبان نفس برآری
ایمان بہ دل است و دل نہ داری

[اور تو زبان سے کب تک خداپرستی کا دعویٰ کرے گا۔ یہ تو نفس پرستی ہے۔ جب تک تو دل سے مسلمان نہ ہو گا ظاہری طور پر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل میں ایمان کا وجود نہیں تو صرف زبان سے کب تک رٹتا رہے گا]۔

ایمانِ تقلیدی اور حرکتِ لسانی کا درجہ ہرگز ہرگز ایک خرِ لنگ سے زیادہ نہیں۔ اب تُمھیں بتاؤ ہمارا تمھارا جیسا مرکب کیا بوجھ اُٹھائے گا۔ اور کیا راستہ چل سکے گا۔ سوار کی راہ الگ کھوٹی ہو گی' اور منزل سے الگ جُدا رہے گا۔ تم نے یہ مثل نہیں سنی کہ ہاتھی کا بوجھ مچھر نہیں اُٹھا سکتا۔ بیت

محرمِ دولت نہ بود ہر سرے بارِ مسیحانہ کشد ہر خرے

[ہر شخص دولت کا اہل نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سواری کا بوجھ ہر گدھا نہیں اُٹھا سکتا]

رستم کا بوجھ رستم ہی کا گھوڑا ہو گا تو اُٹھائے گا۔ دوسرے کا کام نہیں۔ ہاں ذرا دل کو مضبوط کرو۔ اور اس مقام کی دشوار گھاٹیوں سے اور خوفناک منظر سے کہیں ایسا نہ ہو کہ گھبرا اُٹھو' اور تمھارے دل میں ایک قسم کی رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ یہاں تک کہ تم حیلہ شرعی ڈھونڈھ کر اور الفِرارُ مِمّا لا یُطاقُ من سُنَنِ المرسلین [یعنی جس چیز کی طاقت نہیں اُس سے الگ رہنا پیغمبروں کی سُنّت ہے]۔ پڑھ کر بھاگ کھڑے ہو۔ اس امر کے متعلق مجھے زیادہ لکھنے اور کہنے میں اسی بات کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ورنہ کچھ اور کہتا۔ دیکھو دیکھو ہرگز ہرگز اس درگاہ سے ناامید ہو نا زیبا نہیں۔ وہاں کام بےعلّت ہوا کرتے ہیں۔ جس کسی کو نعمت ملتی ہے اس کی قیمت طلب نہیں کی جاتی۔ بہتیروں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ابھی وہ بت کے سامنے سجدے میں تھے اور چشمِ زدن میں ملک و فلک کے وہم و گمان سے باہر جا پہنچے۔ یہاں دیکھو کہ سجدہ گاہ کی گرمی تک باقی ہے' اُدھر دیکھو تو جن و انس و ملک اس کا نشان ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اور مطلق پتا نہیں مل رہا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ رہا ہے۔ آخر سر گرداں و حیراں ہو کر ان کو کہنا پڑتا ہے کہ اللہ اللہ وہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ جواب ملتا ہے کہ فعّالٌ لما یرید۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں' اور جو چاہوں گا کروں گا۔ میری درگاہ میں چون و چرا کی مطلق گنجایش نہیں' اور علّت کا بالکل دخل نہیں۔ یہاں کام کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں۔ کسی کو ابا یزید رحمتہ اللہ علیہ کا خطاب دیا جاتا ہے' کسی کو ابو جہل کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ ایک کو اعلیٰ علیّین پہنچا دیتا ہے اور ایک کو اسفل

السافلین میں گرادیتا ہے۔ اگر سبب پوچھو تو کچھ پتہ نہیں۔ اور اگر تم کو چون وچرا سے کام ہے تو اس کو عالمِ اسباب میں خرچ کرو۔ یہ وہیں کی بات ہے۔ وہیں اس کا گزر ہے۔ خیر' حق تعالیٰ تمہیں اپنی حقیقت کی شناخت عطا فرمائے۔ اور تمھاری خودی کو تمھارے دل سے دور کر دے بِمنّہٖ و کمال کرمِہٖ و بالنبیّ و الہ [یعنی اپنے احسان اور لاانتہا بخشش اور نبی صلیّ اللہ علیہ و سلّم اور اُن کی آل کے طفیل]۔ بھائی ہر چند تم حقیر اور خاکسار ہو' اگر ہمتِ بلند رکھو' مردوں کی ہمت کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتی۔ آسمان و زمین عرش و کرسی' بہشت و دوزخ یہ سب ان کی ہمّت کا بار نہیں اُٹھا سکتے۔ مثنوی

نے در غمِ دوزخ و بہشت اند　　این طائفہ را چنین سرشتند

چنگ در حضرتِ خدا اے زدہ　　ہر چہ آن نیست پشت پاے زدہ

تا بہ جاربِ لانہ روبی راہ　　کے رسی در سرا ے اِلّا اللہ

[اس جماعت کو دوزخ اور بہشت کی پرواہ نہیں۔ یہ لوگ ایسے ہی بنائے گئے ہیں۔ بارگاہِ خداوندی سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا ہر چیز ٹھکرا دی ہے۔ جب تک لا کی جھاڑو سے راستہ صاف نہ کرو اِلّا اللہ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے]۔

مردوں کی ہمّت کا باز جس وقت پرواز کرتا ہے تو بے خس و خاشاک اور پاک صاف صحرا تلاش کرتا ہے۔ اور کوئی پاک و صاف اور وسیع فضا صحرائے ربوبیت اور صحرائے وحدانیت کی فضا سے بڑھ کر ان کو نظر نہیں آتی۔ ان کی بلند ہمّت کعبہ یا بیت المقدس کو اِرد گرد نہیں پھرتی۔ اور زمین و آسمان کا طواف نہیں کرتی۔ سبحان اللہ عزّوجل عجب کاروبار ہے کہ مرد اپنی جگہ ہاتھ پاؤں سمیٹے سر جھکائے ایک حالت سے بیٹھا ہے۔ اور اسرار اُس کے ہیں کہ کون و مکان سے پَرے چکّر لگا رہے ہیں۔ واہ رے ہمّتِ مردانہ کہ یہ بات آب و خاک [انسان] ہی کو نصیب ہوئی۔ اور سب اس سے محروم رہے۔ فرد :

حقّا کہ بہ زہ نیاورد کرد ترکِ فلک اے پسر کمانم

[اور خدا کی قسم آسمان جیسا شہ زور میری کمان نہیں جھکا سکتا]۔

سچ ہے تصوّف ایک ایسی حرکت ہے جس کو ذرا قرار نہیں۔ کیوں نہ ہو پانی جب ساکن ہوتا ہے' تو گندہ ہو جاتا ہے۔ الماءُ اذا طال مکثُہُ ظھر خُبثہُ۔ بخوبی ممکن ہے کہ صورتاً انسان ایک گوشہ میں بیٹھا ہو۔ اور اسرار اُس کے ملکوت و جبروت میں سیر کرتے ہوں۔ کیونکہ متحرک چیز جب تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہے تو ساکن نظر آتی ہے۔۔ جیسے کہ کمہار کا چاک جس وقت حرکت میں ہوتا ہے ساکن دکھائی دیتا ہے۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت سماع کے

وقت کیوں کھڑے نہیں ہوتے۔ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔ و تری الجبال تحسبها جامدۃ و ھی تمر مر السحاب [تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے کہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ بدلی کی طرح چل پھر رہے ہیں]۔ تم غایتِ سُرعت کی وجہ سے ہمارے دَور کو نہیں دیکھتے۔ دیکھو نسیمِ سحر اس طرح گزر جاتی ہے کہ ذرا بھی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ والسّلام۔

5۔ پانچواں مکتوب۔ طلبِ پیر کے بیان میں

بسمِ اللہ الرحمٰن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تُم کو دونوں جہان میں مشرف بنائے۔ تمہیں معلوم ہو کہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے کہ تکمیلِ توبہ کے بعد متدی پر فرض ہے کہ ایسا پختہ پیر تلاش کرے جو نشیب و فرازِ راہ سے آگاہ کرے، صاحبِ حال و مقام ہو۔ صفاتِ جلالی کے قہر و غضب اور صفاتِ جمالی کے لطف و کرم کا مشاہدہ کر چکا ہو۔ العلماء و رثه الانبیاء جس کی شان میں پورا پورا صادق آتا ہو۔ اور ایسا طبیبِ حاذق ہو گیا ہو کہ مرید کے جملہ امراض و عوارضِ باطن کا علاج جانتا ہو۔ اور سب کی دوا کر سکتا ہو۔

اب سُنو! کلام اللہ کا حکم ہے 'کونو مع الصادقین۔ صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہ مرتبہ اول درجے میں پیغمبروں کو حاصل ہے صلوٰۃ اللہ علیہم۔ بعد اُنکے خلفاء کا درجہ ہے۔ یعنی مشائخِ کرام کا۔ کیونکہ العلماء ورثه الانبیاء اورعلماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل انھیں کے فرمان کا سر نامہ ہے۔ اور قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الشیخ فی قومه کالنبی فی امته۔ شیخ اپنی قوم میں خدا کی راہ اسی طرح دکھانے والا ہے۔ جس طرح اپنی امّت میں پیغمبر۔ اور یہ ظاہر ہے کہ امت کو راہِ طلب میں بغیر پیغمبر کے چارہ نہیں تو قوم کو بھی بغیر شیخ یعنی خلیفۂ پیغمبر کے چارہ نہیں۔ اسی وجہ سے حضرات مشائخ کس قول ہے کہ لا دین لمن لا شیخ له [جس کا کوئی پیر و مرشد نہیں اُس کا مذہب ہی نہیں]۔ اور حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ فرمان کہ اقتدوا بالذین من بعدی ابابکر و عمر [میرے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضوان اللہ علیہم کی پیروی کرو]۔ اور پھر فرمایا اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم۔ [میرے اصحاب ستاروں کہ طرح ہیں۔ تم نے جس کہ بھی پیروی کہ رستہ پا لیا]۔ اسی کی تائید میں ہے۔

یہ بات مسلّم ہے کہ ابتداے ہدایت میں نہ پیغمبر کہ حاجت ہوتی ہے اور نہ شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔کیونکہ پہلی ہدایت کا بیج محض اللہ تعالے کے دستِ عنایت وکرم پر موقوف ہے۔جس دل کی زمین میں جو چاہے بو دے ولکن اللہ یھدی منْ یشاء۔ [جس کی چاہتا ہے اللہ ہی ہدایت کرتا ہے]۔مگر جہاں وہ بیج اُگ چلا اُس کی پرورش کے لیے پیغمبر کی حاجت ہوتی ہے۔کیونکہ یہ حضرات اللہ کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ انك لتھدی الی صراط مستقم [بیشک تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو]۔یا شیخ کی ضرورت پڑتی ہے ٬ کہ اِن کی ذات بابرکات پیغمبروں کی نائب ہے۔ومن خلقنا اُمّة یھدون بالحق [اور میں نے جن کو پیدا کیا ٬ وہ اپنی اُمّت کو حق اور راستی کی طرف لے جاتے ہیں]۔علاوہ ازین مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کتابون میں بکثرت عقلی دلائل موجود ہیں۔

1۔**پہلی دلیل** یہ سنو۔کعبہ کی راہ ظاہر ٬ ظاہر اور کھلی ہوئی ہے ٬ اور جانے والا ایسا ہے کہ اس کی آنکھوں میں روشنی بھی ہے۔بلکہ پاؤں میں قوت اور جسم میں توانائی بھی موجود ہے۔راستے کا یہ حال ہے کہ دکھائی دے رہا ہے۔مگر آج تک نہ سُنا کہ بغیر کسی راہبر یا راہ شناس کے کوئی شخص پہنچا ہو۔پھر طریقت کی راہ جو غیر محسوس اور غیر معلوم ہے اور یہ شان رکھتی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران علیہم السلام اس راہ سے یقینی گزرے ٬ مگر کسی کے نقشِ قدم کا پتہ نہیں تو بالکل محال ہے کہ بغیر کسے راہبر یا راہ شناس کے اس کو قطع کر سکے۔

2۔**دوسری دلیل** سنو۔اکثر راستوں میں چور ڈاکو ملا کرتے ہیں۔بغیر محافظ کے جانے میں لُٹ جانے کا خوف ہے۔طریقت کی راہ میں بھی خود نفس کافر اور اصلی شیطان اور نقلی شیاطین یعنی بعض بعض جنات اور بعض انسان راہزن ہیں۔بغیر کسے صاحبِ دل یا صاحبِ ولایت کے جانا اپنی پونجی کو برباد کر دینا ہے۔

3۔**تیسری دلیل** سُنو۔اس راہ میں ایسا ستھراؤ ہے کہ قدم پھسلتے ہیں۔اور وہ گھاٹیاں ہیں کہ جاں بری محال ہے۔سیکڑوں فلسفی ٬ دہری ٬ معتزلہ ٬ اباحتی اور اکثر بندۂ نفس و ہوا بغیر امداد شیخ کامل اور مقتدائے واصل کے محض اپنی عقل کے بھروسے پر اس رای میں چلے پس فوراً بھٹک کر ایسے دشتِ پُرخار میں ایسے اُلجھے کہ نکل نہ سکے۔دین و ایمان سب برباد ہو کر رہ گئے۔کیا خوب کسی نے کہا ہے۔بیت:

توچوں موری واین راہسیت ہچوں موئے بت رویان مَروز نہار بر تخمین و بر تقلید و بر عمیان

[توچونٹی کی طرح ہے۔اور یہ راہ بال کی طرح باریک ہے۔قیاس اور اندھی تقلید کو سامنے رکھ کر ہرگز نہ جانا]

دیکھو ان خوش نصیبوں کو جو کسی صاحبِ ولایت کے سائیہ عاطفت میں کس مزے سے تمام گھاٹیوں کو صحیح و سالم عبور کر چکے ہیں۔ اور ہر لغزش اور ہر تہلکہ سے محفوظ رہے ہیں۔ اس سلوک میں یہ بات بھی ان پر کھل جاتی ہے کہ کون کہاں گرا۔ کون مقام کیسا ہے۔

4۔ **چوتھی دلیل** سنو، اس راہ کے چلنے والوں کو مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ طرح طرح کے کے امتحان کی نوبت آتی ہے۔ یہاں تک کہ دل چھوٹ جاتا ہے اور پست ہو جاتا ہے۔ اگر شیخ کامل صاحبِ تصرف نہ ہو تو اور بھی دل بیٹھا چلا جاتا ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر شیخ رہبر وہ نادر باتیں کرتا ہے کہ مرید کے جذبات تیز ہو جاتے ہیں۔ اور ہمّت بڑھ جاتی ہے۔ مرید راہِ طلب میں جان جی دھو کر مستعد اور آمادہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ خوف تھا کہ حق سے اُس کو دُوری ہو جائے۔ اور طریقت چھوڑ کر رسم و عادات کے چنگل میں قدم رکھے۔ اور ساری کوششیں اس کی ضایع ہو جائیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ قطعہ :

در سائیہ پیر شو کہ نابینا آن اولے تر کہ باعصا گردد کاہے شود کوہِ عُجب بر ہم زن تا پیر ترا چو کہربا گردد گر این نہ کنی کہ گفت عطّار ہر رنج کہ می کنی ہبا گردد

[کسی شیخ کی پناہ میں رہو۔ اندھے کے لیے لاٹھی رکھنا ضروری ہے۔ کاہ بن جا، اور غرور کی چٹان پاش پاش کر دے۔ تاکہ تجھ کو تیرا شیخ کہربا کی طرح کھینچ لے۔ عطار نے جو یہ باتین کہیں اگر تو نہیں کرتا تو جتنی محنت و مشقت جھیلتا ہے سب بر باد ہو جائے گی]۔

5۔ **پانچویں دلیل** سنو، کہ سالک کا گزر ایسے مقامات پر بھی ہوتا ہے جہاں رُوح اس جسمِ خاکی سے مجرد ہو کر نورِ حق کے پرَتو میں ڈوب جاتی ہے۔ چونکہ روح خلیفۂ حق ہے عجب رنگ میں اپنے کو دیکھتی ہے۔ ذوقِ سبحانی و انا الحق سے اس عالمِ خلوت میں لبریز ہو جاتی ہے کہ ہم کو جو پانا تھا پا لیا۔ اور جو ملنا تھا مل گیا۔ بیشک ایسی حالت میں عقل و فہم کام نہیں کر سکتی ہے۔ خاص ضرورت صاحبِ ولایت شیخ کی ہے۔ تاکہ اپنے لطف و کرم سے نہ ایمان جانے دے نہ توحید حلولی ثابت ہونے دے۔ نہ توحیدِ اتحادی کہ طرف رُخ کرنے دے۔ بلکہ توحیدِ خالص اور ایمان کے رستے پر قائم رکھے۔

6۔ **چھٹی دلیل** سنو، کہ اثنائے سلوک میں مبتدی کو غیب کے عجائبات دیکھ کر طرح طرح کے شبہے پیدا ہوتے ہیں۔ اور عجیب عجیب خبریں ملتی رہتی ہیں۔ علاوہ ازین شیطانی اور رحمانی احوال و کیفیات رنگ بدل بدل کر سامنے آتے ہیں۔ بیچارے غریب مبتدی کو اتنی صلاحیت اور واقفیت کہاں کہ غیب کی باتیں سمجھے۔ اور وہاں کے راز سے واقف ہو سکے۔ کیونکہ جو غیب داں ہے وہی غیب کی زبان، غیب کی بات جان سکتا ہے۔ اور سمجھ سکتا ہے۔ کسے نے خوب کہا ہے۔ بیت :

تو چہ دانی زبانِ مرغاں را
چون ندیدی گہے سلیمان را

[تو چڑیوں کہ بولی کیونکر سمجھ سکتا ہے جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کبھی دیکھا نہیں]

ایسے موقع پر اگر شیخ مؤید بتائیدِ الٰہی اور معلّم بعلمِ تاویلات اور اس زبان و معانی کا آگاہ نہ ہو تو مرید ہکّا بکّا ہو کر رہ جائیگا۔ ترقّی نہیں کر سکتا۔

7۔ **ساتویں دلیل** سنو' کہ اگر کوئی شخص دنیاوی بادشاہ کے ہاں کچھ رتبہ یا درجہ یا منصب یا تقرب حاصل کرنا چاہے۔ مگر اس کی صلاحیت نہ ہو کہ بادشاہ کے لائق کوئی کام انجام دے سکے۔ اور کوئی استحقاق بھی کسے حیثیت سے نہ رکھتا ہو' تو اس کو کیا کرنا چاہیے۔ یہی کہ اپنے کو کسے مقرب درگاہ کو ساتھ وابستہ کر دے تا کہ وہ مقبول و منظورِ نظرِ بادشاہ اُس کی عرض بادشاہ کو حضور پہنچادے۔ اس صورت میں یقینِ کامل ہے کہ بادشاہِ دنیا عدم استحقاق یا کم خدمتی کو اس شخص کے نہ دیکھے گا۔ بلکہ وہ اُس مقرب کے حقوقِ سابق اور حاضر باشی کا لحاظ کرے گا۔ اور اسی وسیلے سے اُس کی عرض قبول کی جائے گی۔ اور سائل کو حسب خواہش منصب وغیرہ عطا ہوگا۔ اگر یہی شخص ایک مدتِ دراز تک اپنے طور پر اس درجہ تک رسائی چاہتا ہے تو ہرگز مقصود حاصل نہ ہوگا۔ تم اس کو باور کرو کہ مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس درگاہ میں بادشاہِ دوجہاں کے ایسے مقرب اور مقبول ہیں کہ ان کی بات سنی جاتی ہے۔ جس نے اپنے کو ان کے ساتھ وابستہ کر دیا وہ مقصود و مطلوب تک پہنچ گیا۔ مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نظر کی صفائی اور دل کی پاکی کے باعث رموز و اشاراتِ قرآن قدیم و احادیث رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ اور باطن کی راہ طے کر کے بیٹھے ہیں۔ مریدوں کے لیے اصول و ضوابط قاعدہ و قانون ان حضرات نے مقرر کر دیے ہیں۔ اور احکام جاری کیے ہیں۔

1) **پہلا حکم**۔ ایک شخص ہے جس کو اللہ تعالٰے نے ایسی بینائی دی کہ اپنے افعال میں سے نیک کو نیک اور بد کو بد سمجھتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ بُری باتیں دُور ہو جائیں۔ لیکن اس غریب کو اس کی خبر کہاں کہ اس کا طریقہ کیا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کو چاہیے کہ مقرب اور مقبول درگاہ بندے کے ساتھ اپنے کو وابستہ کر دے۔ اور اپنے صفاتِ ذمیمہ کے بدلنے کا کامل ارادہ کر لے تا کہ وہ بندۂ مقبول اس دُور افتادہ اور شُدہ کو قبول کر لے اور نفس امارہ کے مکر سے اس کو بچالے۔

2) **دوسرا حکم**۔ اگر مرید میں کچھ قصور و فتور پیدا ہو گیا ہو تو از راہِ لطف و شفقت پیر ایسی ترغیب دے کہ ہمّت بلند ہو جائے۔

3) تیسرا حکم۔ بُروں کی صحبت اور ہم نشینی سے اور بُری باتوں کو سُننے سے مرید کو منع فرمائے۔ حالت یہ ہے کہ مرید سالہا سال میں جو بات حاصل کر سکتا ہے، یہ حضرات ایک ساعت میں اس کے دل کو ویسا بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح اور باتوں کو بھی سمجھو۔

بہرحال پیر و مرید کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ اس کے متعلق یہ ممکن ہے کہ مرید ایک پیر سے منزلِ مقصود تک نہ پہنچے، بلکہ دو تین یا چار یا اس سے بھی زیادہ صحبت شیخ کی اس کو ضرورت پڑے۔ بعد اس کے مقصود حاصل ہو۔ اور ہر پیر کی صحبت ایک مقام کے کشف کا باعث ہو۔ لیکن مرید کے لیے بہتر اور مناسب یہی ہے کہ ہرگز ہرگز یہ خیال دل میں نہ پیدا ہونے دے کہ موجودہ پیر سے میری ترقی ناممکن ہے۔ اور اُن کی رسائی اس مرتبہ سے زیادہ نہیں ہے۔ بلکہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ مرید اپنے پیر کو بہت بڑا کامل سمجھے اور اس کا یقین کرلے کہ میرا حصّہ حضرت کے یہاں اسی قدر تھا۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک سچّا پیر کسی مرید کی ترقی کا خواہاں نہ ہو اور اُس کو اپنے مقام میں اُلجھا رکھے۔ بہرکیف مسئلہ یہ ہے کہ مرید نے جب کسے پیر کی صحبت اختیار کرلی تو بغیر اجازت اسکی صحبت سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرے پیر کے یہاں رجوع نہیں کر سکتا۔ اس امر کی سخت نگہداشت رکھنا چاہیے، اور پیروں کی غیرت سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ اگر بغیر اجازت یا بطریقِ بطلان اپنے پیر کو چھوڑ کر مرید دوسرے پیر کی طرف رجوع کرے گا تو مرتدِ طریقت ہوگا۔ خیر۔

مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ روش رہی ہے کہ جب کسی مرید نے اُن کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا تو تین سال کی مدّت میں تین کام اس سے لیتے ہیں۔ اگر اس پر اس نے استقامت کی اور اچھی طرح انجام دیا تو مرید کو تقلیداً نہیں، بلکہ تحقیقاً خرقہ پہناتے ہیں۔ اور اگر مرید حسب فرمان کاربند نہ ہو تو فرمادیتے ہیں کہ طریقت اس کو قبول نہیں کرتی۔ وہ تین باتیں یہ ہیں۔ ایک سال خلق اللہ کی خدمت کرنا۔ ایک سال اللہ تعالیٰ کی بکثرت بندگی کرنا۔ ایک سال دل کی پاسبانی کرنا۔ اور ضمناً یہ بھی حکم دیتے ہیں کہ ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھا رہے۔ زبان سوال کے لیے کھلی رہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ فِی الدُّعاءِ [اللہ رونے گڑگڑانے والوں کی دعا کو دوست رکھتا ہے]۔ بزرگوں کا قول ہے کہ سوال و دعا میں شرم کا بالکل پردہ اُٹھا دینا اچھا ہے۔ اور جو دل چاہے وہی مانگنا بہتر ہے۔ بلکہ جو چیز مانگی جائے ذلیل و حقیر نہ طلب کی جائے۔ اور جب تک حاجت پوری نہ ہو طالب درگاہ سے ٹالے نہ ٹلے اور اس کا یقین رکھے کہ وہاں سے جو کچھ ملا بے قیمت ملا، مفت ملا۔ جس کسی کو ایمان عطا ہو مفت عطا ہو۔ اور جس کی بخشایش ہوئی مفت ہوئی۔ لینے والا ہو تو سارا جہاں وہ بخش دے۔ ھل من سائل ھل من داع ھل من مستغفر [کیا کوئی سائل ہے؟ کیا کوئی مانگنے والا ہے؟ کیا کوئی بخشش چاہنے والا ہے؟]۔ اے مانگنے والو مانگو، ہمارے کرم کی کوئی حد نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تم مانگو۔ اگر نہ مانگو گے تو ہم تقاضا کریں گے۔ اس پر بھی نہ سنو گے تو ہم بے مانگے دیں گے۔ قطعہ

آنکہ ناخواستہ عطا بخشد
گر تو خواہش کنی چہا بخشد

بادشاہے ست او اگر خواہد
ہر دو عالم بیک گدا بخشد